قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا **محمد سلمان صاحب** بجنوری زیدت معالیہم

استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

مدیر

عبد الرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبد الرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

ماہ رجب ۱۴۴۵ھ	ماہ جنوری ۲۰۲۴ء	شمارہ:۷	جلد:۰۴

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	۲۶؍جنوری یعنی یومِ جمہوریہ حقیقت کے آئینے میں	مفتی عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	شراب تمام بُرائیوں کی جڑ ہے (قسط اوّل)	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۶
اصلاحِ معاشرہ	دینی وتہذیبی شناخت کی حفاظت وقت کا اہم مسئلہ (قسط دوم)	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۱
// // //	موسمِ سرما، نعمتِ عظمیٰ	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۱۵
// // //	علم وہ ہے جو اللہ سے ملا دے	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۲۱
// // //	قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان (قسط نہم)	مفتی محمد سلطان خان صاحب قاسمی	۲۳
// // //	شاگردوں پر شفقت ونرمی کریں	مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی	۲۹
// // //	تہذیبِ اسلامی کے خصائص وامتیازات	مولوی محمد عمر فاروق فتح پوری	۳۶

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کرسکتے ہیں، جزاکم اللّٰہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

ادار یہ

۲۶؍جنوری یعنی یومِ جمہوریہ حقیقت کے آئینے میں

از: مفتی عبدالرزاق بنگلوری

۲۶؍جنوری کا نام سنتے ہی ہر ہندوستانی کے ذہن میں سب سے پہلے دو باتیں آتی ہیں: پہلی ہندوستان کا آئین اور دوسری یومِ جمہوریہ پر راجدھانی دہلی میں منعقد ہونے والی عظیم الشان پریڈ۔ ۱۹۵۰ء میں ۲۶؍جنوری کی تاریخ کو ہی ہندوستان کا آئین نافذ ہوا، یعنی ۷۴؍سال پہلے پہلی بار ہر ہندوستانی کے لیے اپنی مرضی کی قانون سازی کا دن تھا۔ آئین ملک کے ہر شہری کے لیے مستند ترین دستاویز بن گیا اور اس میں موجود ہر چیز ملک کا وقار بن گئی۔

یومِ جمہوریہ بھارت بھارت کی ایک قومی تعطیل ہے جسے ملک بھر میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کی اہمیت یہ ہے کہ حکومتِ ہند ایکٹ جو ۱۹۳۵ء سے نافذ تھا منسوخ کرکے آئین ہند کا نفاذ عمل میں آیا اور آئین ہند کی عمل آوری ہوئی۔ [۱] دستور ساز اسمبلی نے آئینِ ہند کو ۲۶؍نومبر ۱۹۴۹ء کو اخذ کیا اور ۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء کو تنفیذ کی اجازت دے دی۔ آئینِ ہند کی تنفید سے بھارت میں جمہوری طرزِ حکومت کا آغاز ہوا۔

آزاد ہندوستان کا اپنا دستور (قانون) بنانے کے لیے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی صدارت میں ۲۹؍اگست ۱۹۴۷ء کو سات رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، جس کو ملک کا موجودہ دستور مرتب کرنے میں ۲؍سال، ۱۱؍ماہ اور ۱۸؍دن لگے تھے، دستور ساز اسمبلی کے مختلف اجلاس میں اس نئے دستور کی ہر اک شق پر کھلی بحث ہوئی، پھر ۲۶؍نومبر ۱۹۴۹ء کو اسے قبول کرلیا گیا، اور ۲۴؍جنوری ۱۹۵۰ء کو ایک مختصر اجلاس میں تمام ارکان نے نئے دستور پر دستخط کر دیا۔

آئین کے نفاذ کے ساتھ ہی ہندوستان ایک خود مختار ملک بن گیا، ہر ایک چیز اپنی تھی، ملک کے جغرافیے سے لے کر سیاست تک سب کچھ اپنے شہریوں کے لیے کیا گیا۔ اس خودمختاری کی حفاظت کے لیے کیا گیا، اِس خودمختاری کی حفاظت عظیم ہندوستانی فوج کرتی ہے، جس کے بہادر جوان مادرِ وطن کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہر سال ۲۶؍جنوری کو راجدھانی میں ایک عظیم الشان پریڈ کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں فوج کے دستے، اپنی تاریخ اور فخر کو یاد دلاتے ہوئے اپنے سپریم کمانڈر، ہندوستان کے صدر کو سلام پیش کرتے ہیں۔

راشٹریہ پتی بھون سے شروع ہو کر یہ پریڈ لال قلعہ پر ختم ہوتی ہے۔ اکثر لوگ سوچتے ہیں کہ شاید پہلے یومِ

جمہوریہ سے ہی اس کا اہتمام کیا جارہا ہے؛ لیکن ایسا نہیں ہے، یومِ جمہوریہ پر پریڈ کا پہلی بار ۱۹۵۵ء میں اہتمام کیا گیا تھا۔ ۲۶/جنوری ۲۰۲۳ء کو یہ پریڈ کرتیہ پتھ پر ہورہی ہے؛ لیکن پہلے اس کا نام راج پتھ (کنگز وے) ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۵۵ء سے اب تک اس مستقل پریڈ کی جگہ چار بار تبدیل کی جاچکی ہے۔

۱۹۵۵ء س پہلے یومِ جمہوریہ کی پریڈ دہلی میں مختلف مقامات پر ہوتی تھی۔ اس کا اہتمام پہلے یومِ جمہوریہ پر دہلی کے ایرون اسٹیڈیم میں کیا گیا تھا، اس کے بعد صدر جمہوریہ نے کبھی رام لیلا میدان، کبھی لال قلعہ اور کبھی کنگز وے کیمپ میں پریڈ کی سلامی لی۔

سال ۱۹۵۵ء میں پہلی بار ۲۶/جنوری کو راج پتھ پر پریڈ کا اہتمام کیا گیا تھا، تب سے اس پریڈ کو یہاں کے لیے مستقل کردیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ سلامی کا پلیٹ فارم بھی مستقل بنایا گیا، جہاں ملکی فوج اپنے سپریم کانڈر کو سلامی پیش کرتی ہے۔

راج پتھ پر فوج کے دستوں کا مارچ جہاں ملک کی اپنی فوجی طاقت کے خوف کا احساس دلاتا ہے، وہیں اس پریڈ میں ملک اور دنیا کے سامنے ملک کی ثقافتی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ملک بھر کی مختلف ریاستوں کے ٹیبلو بھی پریڈ میں جگہ پاتے ہیں، جس میں ثقافت کا سایہ نظر آتا ہے، مختلف ریاستوں کی جھانکیاں دلکش ہوتی ہیں۔

سال ۱۹۵۳ء میں پہلی بار ۲۶/جنوری کو ثقافتی لوک رقص کی جھانکی دیکھی گئی، جس میں مختلف ریاستوں کے قبائل رقص شامل تھے۔ ثقافتی جھانکیاں ملک میں تنوع میں اتحاد کی مثال پیش کرتی ہیں، ساتھ ہی اس موقع پر ملک کے ہر رنگ کو اس میں شرکت کا موقع دیا جاتا ہے۔

جمہوریت ملک کا سب سے اہم ستون ہوتا ہے، اس کا مطلب اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اس ملک میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مکمل طور سے حق واختیار حاصل ہے کہ وہ آزادی سے زندگی گزاریں، سب کو اختیار رہے کہ وہ دستور میں دیے گئے حقوق سے اپنا دامن بھریں، تاریخ کے زریں صفحات اور ہندوستان کی سرزمین ابھی تک گواہ ہے کہ ہندوستان کو انگریزوں س آزاد کرانے میں بزرگانِ دین، علمائے کرام اور محبانِ وطن نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، تب کہیں جاکر ہندوستان اور اس کے بسنے والے آزاد ہوئے؛ مگر آج بھی یہ سوال ہمارے کانوں سے ٹکراتا ہے کہ ملک آزاد ہوئے آج صدیاں گزر گئیں؛ لیکن کیا ہم صحیح معنوں میں آزاد ہیں کہ نہیں، ۲۶/جنوری/یومِ جمہوریہ صرف جوانوں کے کرتب، فوجی طاقت کے مظاہروں اور توپوں کی سلامی یا فقط اسکولی بچوں کے ثقافتی پروگراموں کے منعقد کرنے کا نام نہیں ہے؛ بلکہ ۲۶/جنوری یومِ جمہوریہ دراصل ملک کے آئین اور جمہوریت سے تجدیدِ وفا کا دن ہے، ہمارا ملک ہندوستان پوری دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے، جہاں مختلف

مذاہب کے لوگ پوری آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مذہب پر نہ صرف قائم ودائم ہیں؛ بلکہ کھلے عام وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں اور یہی ہمارے دیس کی خوبصورتی ہے، آزادی کے بعد ہندوستان کا آئین کچھ اِس طرح بنایا گیا کہ ہر شخص کے ملی، قومی، سماجی اور مذہبی اقدار کا خیال رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے ملک کے آئین پر فخر کرتے ہیں۔

ملک میں شہریوں کے حقوق اور حکومت کے رہنما اُصولوں پر مبنی ایک آئین مرتّب کیا گیا، اس کو ہم آئینِ ہند یا دستورِ ہند کے نام سے جانتے ہیں، یہ ہندوستان میں جمہوریت کی بنیاد ہے، یہ وہ آئین ہے جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کو متحد کرتی ہے۔ آئین ہماری زندگی، اقدار، طرزِ عمل اور روایت اور اس کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے، اسی دن کو ہم یومِ جمہوریہ کے نام سے جانتے ہیں، یومِ جمہوریہ اپنے آئین کا درس دیتا ہے، تمام سرکاری، نیم سرکاری اور تعلیمی ادارے؛ نیز نجی مکانوں پر ہم اپنے ملک کا جھنڈا لگاتے ہیں، یہ ہمیں ہندوستانی عظمت ورفعت کو یاد دلاتا ہے، تمام افواج اپنے کارناموں کا مظاہرہ کرتی ہیں، ہوائی جہاز کے قطاروں سے ترنگا بنانے کا منظر بڑا دلکش ہوتا ہے، ہم مانتے ہیں کہ ہاں یہ سب ہوتا ہے؛ مگر ایک سب سے اہم سوال: کہ کیا آج جو قانون ہمارے لیے بنایا گیا تھا، کیا اس قانون کی رو سے ہم آزاد ہیں؟ یا اس قانون کے ذریعے سے ہم فوائد حاصل کررہے ہیں؟ ان سب کے باوجود آج اپنا وہی تہذیب وتمدن کا گہوارہ کہا جانے والا ہندوستان بہت ہی نازک حالات اور سنگین دَور سے گزر رہا ہے اور اس ہندوستان میں دیگر قومیں ہندو، بدھ، جین، سکھ، عیسائی سب چین وسکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں؛ مگر ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بایں جارسید کہ سب سے زیادہ ظلم وستم کا شکار یہی ہورہے ہیں، تختۂ مشقِ ستم یہی بن رہے ہیں، اور جب سے بھگوا پارٹی کی مئی ۲۰۱۴ء کے انتخاتاب میں جیتنے کی وجہ سے مودی وزیرِ اعظم منتخب ہوئے، تب سے مودی حکومت سنگھیوں کے ساتھ مل کر سرکاری عہدیداروں اور پالیسیوں پر تنقید کرنے کی پاداش میں انسانی حقوق کے بہادر دفاع کاروں، علمبرداروں اور خاص کر مسلمانوں کے اوپر لمبا چوڑا مقدمہ چلانے کا ایک طویل سلسلہ جاری کر رکھا ہے، کبھی ''لَو جہاد'' کے بہانے، کبھی مدارس کے بہانے، کبھی ''این آر سی'' کے بہانے، کبھی ۳۷۰ آرٹیکل ہٹانے کے بہانے اور کبھی زرعی قوانین نافذ کرنے کے بہانے حکمرانِ جماعت اور اس کے ساتھ وابستہ ہندو انتہا پسند تنظیموں کے ذریعے مذہبی اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں پر تشدد اور ظلم وبربریت کا ننگا ناچ کیا جارہا ہے، اور قانونِ عدالت، جمہوریت سب چند امیر لوگوں کی مٹھی میں ہیں۔ آج اِس دستور کی کس طرح دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں، یہ کسی سے مخفی نہیں ہے، جمہوریت کا کس طرح مذاق بنادیا گیا ہے؛ بلکہ پورے جمہوری نظام پر کس طرح فسطائیت نے شب خوں مارا ہے، یہ ہر کوئی ذی علم واقف ہے، اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے، آمین

❑❖❑

درسِ حدیث (قسط اوّل)

شراب تمام بُرائیوں کی جڑ ہے

از قلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ: اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْإِثْمِ وَالنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ، قَالَ: وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ: أَخِّرُوا النِّسَاءَ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خطبہ کے دوران یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’(یاد رکھو!) شراب پینا گناہوں کو جمع کرنا ہے (یعنی شراب چوں کہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے؛ اِس لیے شراب پینے سے طرح طرح کے گناہ سرزد (ہوتے ہیں) اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے‘‘ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ’’عورتوں کو مؤخر کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مؤخر کیا ہے، یعنی قرآنِ مجید میں جہاں بھی عورتوں کا ذکر آیا ہے مَردوں کے بعد آیا ہے، اِسی طرح گواہی، جماعت اور فضیلت و مرتبہ میں اُن کو مَردوں کے بعد رکھا گیا ہے؛ لہٰذا تم بھی ان چیزوں میں اُن کو مقدم نہ کرو اور مَردوں پر فضیلت نہ دو‘‘۔

تشریح:

انسان کی عمومی ضروریات کے تحفظ کا پابند اسلام ہے، انہیں عمومی ضروریات میں مال اور عقل ہیں؛ چوں کہ یہ دونوں نعمتِ الٰہیہ میں ہیں، اس کے بغیر انسان شرافت کی زندگی نہیں گزار سکتا، اسی وجہ سے اسلام نے مال کو بخالت سے اور بے جا فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس پر مزید یہ کہ اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کی بھی تعلیم دی ہے، حلال طریقوں سے کمائی کو ضروری قرار دیا ہے، اِسی طرح عقل کی بھی حفاظت کی ہے، جن چیزوں کے استعمال سے عقل میں کمزوری اور فطور واقع ہوتا ہو اُس سے بچنے کی تدبیریں کی ہیں، مثلاً: شراب اور ہر نشہ والی چیز سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

جامع نصیحتیں:

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’شراب اُمّ الخبائث ہے‘‘ یعنی شراب دوسری بیماریوں کو جنم

دیتی ہے، یعنی شراب پینے والا بہت آسانی سے زبان کی بے احتیاطی، جھگڑا وغیرہ ان جیسے گناہوں میں مبتلا ہوگا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگر چہ تم کو سخت سے سخت سزا دی جائے یا جلا دیا جائے، اپنے والدین کی اطاعت کرو اگر چہ وہ مکمل چیزوں سے نکلنے کو کہے تو نکل جاؤ اور نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑو؛ اِس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اللہ کا ذمہ اُس سے بَری ہے، شراب سے بچو؛ اِس لیے کہ وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے، گناہوں سے بچتے رہو؛ چوں کہ گناہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہیں، میدانِ جنگ سے نہ بھاگو اگر چہ وہاں موت کا خطرہ ہو اور تم اس میدانِ جنگ میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو، گھر والوں پر وسعت سے خرچ کرو، ان سے تادیب کے لیے لکڑی نہ ہٹاؤ اور خدا کا خوف اُن کے دلوں میں پیدا کرواؤ''۔

شراب پینے کے نقصانات:

شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام اُمورِ شنیعہ سے بچاتی ہے اور لڑائی و قتل وغیرہ طرح طرح کی خرابیوں کی نوبت آتی ہے اور مختلف قسم کے اَمراضِ روحانی وجسمانی پیدا ہوتے ہیں، جو بسا اوقات ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں؛ اِسی لیے رب ذو الجلال نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا﴾

(پ:٥، سورۂ نساء، رقم الآية:٤٣، رکوع:٧)

اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اُس وقت کہ غسل کی حاجت ہو؛ مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو۔ (شیخ الہندؒ)

تشریح:

حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اوّل منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے، اس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بُعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے، حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے، واللہ اعلم۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہو چکی اور ان کے اضداد کی خوبی واضح ہو چکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ ان کا منشا بھی وہی ہے جو کفر و ریا کا منشا تھا؛ اِس لیے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہیے تاوقتیکہ تم کو اس قدر ہوش نہ آ جائے کہ

جو منہ سے کہو اُس کو سمجھ بھی سکو اور نہ حالتِ جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہیے، تاوقتیکہ غسل نہ کرلو؛ مگر حالتِ سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔

فائدہ: یہ حکم اُس وقت تھا کہ نشہ اُس وقت تک حرام نہ ہوا تھا؛ لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی تھی، روایات میں منقول ہے کہ ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت میں جمع تھی؛ چوں کہ شراب اُس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی؛ اِس لیے انہوں نے شراب پی تھی، مغرب کا وقت آ گیا، تو اُسی حالت میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، امام نے سورۂ ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ میں ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کی جگہ "اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" بے ہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنیٰ بالکل خلاف اور غلط ہو گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اب اگر نیند کے غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہو جائے کہ اُس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہوگی، جب ہوش آئے تو اُس کی قضاء ضرور کرلے۔ (ماخوذ از فوائدِ عثمانی)

شراب کی قطعی حرمت:

قرآنِ مجید میں مختلف انداز سے شراب کی بُرائی کا ذکر تھا، پہلے تو فرمایا گیا اس میں نقصان زیادہ فائدہ کم ہے، کبھی بتایا گیا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، اب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوگئی؛ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○﴾

(پ:۷، سورۂ مائدہ، رقم الآیۃ: ۹۰، ۹۱، رکوع:۱۲)

اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جُوا اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو؛ تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بَیر بذریعے شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے۔

(شیخ الہندؒ)

تشریح:

اِس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں۔ اوّل یہ آیت نازل ہوئی: **﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ**

نَفْعِهِمَا﴾ (بقرہ، رکوع:۲۷) گو اِس سے نہایت واضح اشارہ تحریمِ خمر کی طرف کیا جا رہا تھا؛ مگر چوں کہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا؛ اِس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: ''اللّٰھم بین لنا بیانًا شافیًا''، اس کے بعد دوسری آیت آئی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ إلیٰ آخر الآیة. (نساء، رکوع:٦) اس میں بھی تحریمِ خمر کی تصریح نہ تھی، گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالبًا یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے، مگر چوں کہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا؛ اِس لیے نہایت حکیمانہ تدریج سے اوّلاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکمِ تحریم سے مانوس کیا گیا؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے: ''اللّٰھم بیّن لنا بیانًا شافیًا'' آخر کار ''مائدہ'' کی یہ آیتیں جو اِس وقت ہمارے سامنے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ تک نازل کی گئیں، جس میں صاف صاف بُت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ سنتے ہی چلاّ اُٹھے: ''انتھینا انتھینا'' لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیے، مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفتِ ربانی اور محبت واطاعتِ نبوی کی شرابِ طہور سے مخمور ہو گیا اور اُمّ الخبائث کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآنِ کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ فللّٰہ الحمد والمنة

شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں، حتیٰ کہ نشہ اُترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں، یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادتِ الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

لمحۂ فکریہ:

آج کل ماحول کو گندا اور نسلِ انسانی، بالخصوص مسلمانوں کو برباد کرنے کی جو سازش رَچی جا رہی ہے اُس میں سے ایک نشہ کی عادت ہے، اس میں جس کثرت سے لوگ بلکہ نوجوان مبتلا کیے جا رہے ہیں، شاید ہی اس سے پہلے کسی زمانہ میں اِس طرح کیا گیا ہو، نشہ کرنے کی نئی نئی چیزیں ایجاد کی جا رہی ہیں، جس سے لوگوں کا مستقبل برباد ہو رہا ہے، کئی ایک جگہ کے واقعات سن کر دل دہل جاتا ہے، کچھ نوجوان جو ابھی سنِ بلوغ کو بھی نہیں

پہنچ پائے ہیں، اکٹھے ہوکر مختلف اَدویات یا انجکشن اور مختلف ذرائع سے نشہ کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، جن کی تعداد نا قابلِ بیان ہے، مَرد تو مَرد؛ عورتیں اور لڑکیاں بھی اس میں کثرت سے مبتلا ہوتی جا رہی ہیں، ان کے بعض فروخت کرنے والوں کو پکڑا گیا تو دیکھ کر اور سن کر طبیعت میں افسردگی چھا جاتی ہے، اس کے فروخت بعض گھرانے مسلمانوں کے ہیں جن کے مَرد مَردوں میں، عورتیں عورتوں میں اور بچے بچوں میں نشہ کی چیزیں فروخت کرتے ہوئے پکڑے گئے، جب معاشرہ میں گندگی اس تیزی سے پھیلائی جا رہی ہے تو مستقبل میں کامیاب نسل اور کامیاب قوم کی اُمید نہیں کی جا سکتی، اِس طرح کے سینکڑوں واقعات ہر علاقہ میں دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں، جب کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’شراب کے عادی شخص کے دل سے نورِ ایمان نکل جاتا ہے‘‘، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ہم میں سے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خود متحرک ہوکر اپنے اپنے علاقوں میں نشہ کے خلاف مہم چلائے، اور اس وباء کو حتی الامکان ختم کرنے کی کوشش جاری رکھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اور ہماری نسلوں کی اس گندی وباء سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(جاری...)

اصلاحِ معاشرہ (قسط دوم)

دینی وتہذیبی شناخت کی حفاظت

وقت کا اہم مسئلہ

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندو مذہب کے متکلمین نے زیادہ سے زیادہ قوموں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خداؤں کی تعداد کو بڑھایا جائے، کہا جاتا ہے کہ اصل ہندو مذہب میں ایک ہی خدا کا تصور تھا؛ چنانچہ مذہب اور تہذیب کے مشہور محقق اور مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں:

''ایک خدائے مطلق کا خیال جو تمام فانیوں اور غیر فانیوں کا خالق اور تمام انسانوں، پتروں اور دیوتاؤں پر حاکم ہو، رگ وید میں بے شک پایا جاتا ہے؛ لیکن محض ایک خاکہ کی صورت میں''۔

(تمدن ہند ص:١٦٢)

یہ ایک سے تین اور تین سے تینتیس ہوئے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دَور میں ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کی تعداد تینتیس (٣٣) کروڑ تک پہنچ چکی ہے؛ چنانچہ ایک ہندو محقق لکھتے ہیں:

''پھر یہ تعداد بڑھ کر تینتیس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دیوتاؤں کی بے شمار تعداد زندگی اور فطرت پر حکومت کر رہی ہیں؛ لیکن یہ بنیادی تصور کہ ایک خدا ارتقاء کر کے تین بن گئے، پھر تینتیس اور پھر روحانی قوت کے لاتعداد پہلوؤں میں تبدیل ہو گئے، منظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوا''۔

(The culture heritage of india ص:٨٩)

دیوتاؤں کی اس کثرت کا یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ مختلف گروہوں کے پیشواؤں کو خدا کے اوتار کا درجہ دے کر انہیں بھی ہندو قوم میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی، آریوں نے دراوڑیوں پر پہلے بڑے مظالم ڈھائے اور ان کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کی؛ لیکن جب اس میں پوری کامیابی نہیں مل سکی تو ان کو ہندو قوم کا حصہ بنانے کے لیے دراوڑ جن مورتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کو اپنے معبودوں میں شامل کر لیا گیا، اہل علم جانتے ہیں کہ ایک زمانہ میں بعض ہندو لیڈروں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ مل جائیں، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

ایک اوتار مان لیتے ہیں، شاید اسی کوشش کا ایک حصہ یہ بھی ہو کہ ہندو مذہبی رہنماؤں نے کبھی ہندو مذہب کے عقائد وافعال متعین کرنے اور ہندوقوم کی حدود اربعہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، کسی نے کہا جو ہندو ماں باپ سے پیدا ہو، وہ ہندو ہے، چاہے دھرم شاستروں کا عقیدہ رکھتا ہو یا نہیں، اسی معنی میں پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی ہندو مانا گیا ہے، کسی نے کہا جو سندھو دریا کے اِس پار پیدا ہوا ہو، وہ ہندو ہے، کسی نے کہا کہ جو کسی اور مذہب کو ماننے والے نہ ہوں اور ہندوستان اس کی جائے پیدائش ہو، وہ سب ہندو ہیں، یا یہ کہا گیا کہ جس کو ہندو ہونے سے انکار نہ ہو، وہ ہندو ہے، اسی پس منظر میں سنگھ پریوار کے موجودہ رہنما موہن بھاگوت بعض دفعہ ملک کے تمام باشندوں کو ہندو قرار دیتے ہیں؛ کیونکہ ان کے آباء واجداد سب ہندو تھے، ہندو مذہب اور ہندو قوم کی غیر متعین تعریف کو بہت سے ہندو علماء ہندو مذہب کی وسعت قرار دیتے ہیں؛ مگر حقیقت میں کسی چیز کی حقیقت کا متعین نہ ہونا اور اس میں ناقابل وضاحت ابہام کا پایا جانا کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک عیب ہے، جو اس تصور کے بے حقیقت ہونے کو ظاہر کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کسی وجود کے بارے میں کہا جائے کہ یہ کتا بھی ہے، گدھا بھی ہے، گھوڑا بھی ہے، اس کا نامعقول ہونا ظاہر ہے؛ مگر برہمنوں نے اس کا فائدہ یہ اٹھایا کہ انھوں نے بہت سے غیر ہندو گروہوں کو ہندو قوم کا حصہ بنا دیا۔

ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کو اس کا نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی، آزادی سے پہلے جو آخری مردم شماری ہوئی اس میں بہت سے لوگوں نے مذہب کے خانہ میں اپنے آپ کو ''محمدی ہندو'' قرار دیا، سندھ کی بعض برادریوں کو ''حسینی برہمن'' کہا جاتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ عجمی مسلمانوں اور خاص کر برصغیر کے مسلمانوں میں مشرکانہ رسوم جس کثرت سے پائی جاتی ہیں، بعض دفعہ نظریہ کے اعتبار سے انبیاء اور اولیاء میں خدائی صفات کو مانا جاتا ہے اور عملی زندگی میں بھی مخلوقات کے ساتھ غلو آمیز تقدس کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ شرک صریح کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اس کے پیچھے برادران وطن سے تأثر کارفرما ہے، اسی لیے اس ملک میں جن شخصیتوں نے تجدیدی کارنامہ انجام دیا، مجدد الف ثانیؒ سے لے کر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تک سب نے عقیدۂ توحید کو بے غبار کرنے اور مسلمانوں کو مشرکانہ رسوم وعادات اور افکار وتصورات سے بچانے پر سب سے زیادہ توجہ دی، اکبر کے دربار میں ہندو عالموں اور فلسفیوں کا غلبہ اور دین الٰہی کی ایجاد اور پھر گیتا کے شارح دارا شکوہ کے افکار اور منجانب اللہ اورنگ زیبؒ کی فتح مندی اور ہندو مذہبی مقدسات کے ساتھ ان کے فراخدلانہ عطیات اور حسن سلوک کے باوجود سنگھی مصنفین کے یہاں اورنگ زیب کی مذمت اور اس کے کارناموں کو نظر انداز کرنا یہ دراصل اسی بنیاد پر ہے کہ مسلمانوں کو ہندو

تصور اور تہذیب میں جذب کرنے کی جو کوشش ہو رہی تھی، جس کے خلاف مجدد الف ثانیؒ نے پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی تھی، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے سیاسی قوت کے ذریعہ اس کو پوری قوت کے ساتھ ناکام کر دیا تھا۔

ملک کی آزادی میں مسلمان پیش پیش تھے؛ حالانکہ اس تاریخ کو مٹانے کی بہت کوشش کی جارہی ہے؛ لیکن انڈیا گیٹ ایک واضح ثبوت بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہے، جس میں مجاہدین آزادی کے نام کندہ کیے گئے ہیں، اوران میں ۶۰ رفیصد سے زیادہ مسلمانوں کے نام ہیں، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ باوجودیکہ آر ایس ایس کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں ہو چکی تھی اوران کی کوشش تھی کہ ہندوستان کا دستور خالصۃً اس تصور پر مبنی ہو، جس کو ان لوگوں نے ہندوتوا سے تعبیر کیا ہے، اور جو اس وقت ایک حد تک اکثریتی گروہ کے لیے سب سے زیادہ مقبول فکر ہے؛ لیکن مختلف گروہوں اور خاص کر مسلمانوں کی جنگ آزادی میں شرکت نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا، خود ڈاکٹر بی آر امبیڈکر برہمنیت کے مخالف، بلکہ اس کے باغی تھے، دستور ساز کونسل میں مختلف مسلم قائدین بھی تھے، اور جواہر لال نہرو جیسے سیکولر اور ایک حد تک کمیونسٹ ذہن رہنما جیسے افراد بھی اس میں شامل تھے؛ اس لیے ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی، اور پھر ہندتوا فلسفہ سے متاثر مجرمانہ ذہن کے حامل ایک شخص ناتھورام گوڈسے نے جب گاندھی جی کا قتل کر دیا تو اس سے وقتی طور پر پورا ماحول بدل گیا، اور لوگوں میں اس گروہ کا اصل مزاج واضح ہو گیا، اس سے ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکیں، اب ملک کے موجودہ حالات میں مختلف جہتوں سے مسلمانوں کو مرعوب، بے وزن اور فکری اعتبار سے کمزور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے؛ تاکہ خدانخواستہ ان کو ذہنی ارتداد کی طرف لایا جا سکے، اس کے لیے تخویف وترہیب اور ترغیب وتحریص دونوں طریقے اختیار کیے جارہے ہیں، جو کئی شکلوں میں سامنے آرہا ہے، مسلم آبادیوں سے جلوس لے جانے کی کوشش اور مسجدوں کی بے حرمتی، مسلمانوں کا ہجومی قتل بالخصوص غریب مسلمان تاجروں، آٹو ڈرائیوروں کو نشانہ بنانا، اسکولوں میں پڑھنے والے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کو رسوا اور ذلیل کرنا، مسلم عورتوں کو نشانہ بنا کر بے آبرو کرنا، آئے دن اس طرح کی خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوشش بھی جاری ہے، سرکاری ملازمتوں کا دروازہ بڑی حد تک مسلمانوں پر بند تھا؛ البتہ کچھ پرائیویٹ ملازمتیں مسلمانوں کو مل جاتی تھیں، خاص کر آئی ٹی سیکٹر کی ترقی اور غیر ملکی تجارتی کمپنیوں کی آمد کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کو روزگار کے کچھ بہتر مواقع حاصل ہو رہے تھے، اب اس پر بھی روک لگانے اور کمپنیوں کو مسلمان ملازم نہ رکھنے کا پابند کیا جارہا ہے، کچھ باہر کے ملکوں کی ملازمت اور کچھ پرائیویٹ کمپنیوں میں ملازمت کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو رہی تھی، انھوں نے تجارت کے

میدان میں بھی قدم رکھنا شروع کیا ہے، یہ بات فرقہ پرست طاقتوں کو بہت کھل رہی ہے، انھوں نے مسلمانوں کی دکانوں کا بائیکاٹ کرنے؛ یہاں تک کہ مسلم مزدوروں سے کام نہ لینے کی بھی اپیل کی ہے، مسلمانوں کو سیاسی طور پر بے وزن کرنے کی صورت حال یہ ہے کہ مسلم امیدوار کسی بھی پارٹی سے، یہاں تک کہ فرقہ پرست جماعت ہی سے کیوں نہ کھڑا ہو، غیر مسلم اسے ووٹ نہیں دیتے ہیں، مسلم مُکت وزارت، پارلیمنٹ اور اسمبلی بنانے کی دعوت دی جارہی ہے، اور اس پر پوری شدت کے ساتھ عمل بھی ہورہا ہے۔

یہ تو امن وامان، معیشت وسیاست کا پہلو ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی پہلو سے دوطرفہ حملہ ہے، ایک یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی بھرپور سعی ہورہی ہے، میڈیا کے ذریعہ جھوٹ اور فریب پر مبنی ایسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں، جو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کریں، اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے، اپنے آپ کو سیکولر کہنے کے باوجود اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو ملک مخالف بنا کر پیش کیا جاتا ہے، میڈیا کے علاوہ تعلیم کے راستہ سے بھی اسلام اور مسلمانوں کو مطعون کرنے کی مسلسل کوششیں ہورہی ہیں، نصاب تعلیم سے مسلمانوں کے پورے عہد کو نکال دیا گیا ہے، ملک کی تاریخ بدلی جارہی ہے، اور کہا جارہا ہے کہ ہندوستان ۱۹۴۷ء میں دوسوسال کی نہیں؛ بلکہ دوہزار سال کی غلامی سے آزاد ہوا ہے، نصاب تعلیم میں مسلمانوں کو ڈاکو اور قاتل کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے، ایک طرف یہ ساری تدبیریں مسلمانوں کو کمزور اور بے وزن کرنے اور احساس کمتری میں مبتلا کیے جانے کے لیے ہورہی ہیں۔

(جاری...)

اصلاحِ معاشرہ

موسمِ سرما، نعمتِ عظمیٰ

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا ويرفع به الدرجات؟ قالوا: بلى يا رسول الله قال: إسباغ الوضوء على المكاره و كثرة الخطا إلى المساجد و انتظار الصلاة بعدالصلاة. (صحيح مسلم ۲۵۱/۱)

حضرت ابوہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے صحابہ سے پوچھا کیا میں ایسے اعمال کی جانب تمہاری رہنمائی نہ کروں، کچھ ایسے نسخے نہ بتاؤں کہ جن پر عمل کرکے تم اپنے گناہوں کے لیے معافی کا سامان کر سکتے ہو اور تمہارے درجات کی بلندی کا فیصلہ ہوسکتا ہے؟ صحابہ نے فرمایا: بلی یا رسول اللہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، صحابہ تو ایسے اعمال کے منتظر رہتے ہی تھے، تو تین اعمال پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے بتائے جو گناہوں کے بخشش کے ساتھ ساتھ درجات کی بلندی کا بھی ذریعہ بنیں گے۔

وضو مکمل کرنا

پہلے نمبر پر آپ نے فرمایا: اسباغ الوضوء علی المکارہ: ناگواری کے باوجود، دل کے نہ چاہنے کے باوجود، مشقتوں کے باوجود وضو کو مکمل کرنا یہ ایسا عمل ہے جو انسان کے گناہوں کی معافی کے ساتھ درجات کے بلندی کا بھی ذریعہ بنے گا، اس عمل کو کرنے کا موقع خاص طور پر سردی کے زمانے میں زیادہ ملتا ہے؛ اس لیے کہ جب ٹھنڈک زیادہ بڑھتی ہے تو لحاف سے باہر نکلنے کو جی نہیں کرتا اور وضو کا تصور کرتے ہی کپکپی طاری ہوجاتی ہے کہ اچھا اب پانی کو استعمال کرنا پڑے گا، آدمی دس مرتبہ سوچتا ہے وضو کرنے کے لیے، نماز کا وقت آ گیا پھر بھی یہ سوچ کر دیر ہو رہی ہے کہ وضو کرنا پڑے گا، پھر نماز پڑھنی پڑے گی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اپنے نفس کی خواہش کے خلاف قربانی پیش کرتے ہوئے نماز کو ادا کرنے کے لیے مکمل وضو کرکے جو آدمی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، اللہ پاک کے گناہوں کو بھی معاف کریں گے اور درجات کو بھی بلند فرمائیں گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے؛ اس لیے ٹھنڈک کی شدت کی وجہ سے وضو میں کسی طرح کی کوتاہی نہ ہونی چاہیے اور وقت پر فریضے کی ادائے گی کا اہتمام ہونا چاہیے۔

مسجد جانا

دوسری چیز نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ذکر فرمائی: **وكثرة الخطى إلى المساجد:** وہ عمل جو انسان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بلند کر دیتا ہے: مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا یعنی پنج وقتہ نمازیں با جماعت مسجدوں میں ادا کرنا۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: **لاصلاة لجار المسجد الا فی المسجد.** (اخرجه الدارقطني والحاكم والبيهقي) مسجد کے پڑوس میں رہنے والے لوگوں کی نماز مسجد ہی میں ہوگی، بغیر عذر کے اگر ہم مسجد کی نماز کو چھوڑیں گے تو اللہ کی بارگاہ میں ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا اور جماعت میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ۲۷ر گنا ثواب سے محروم ہونا پڑے گا۔

با جماعت نماز میں شرکت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جماعت میں فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں اور جب امام سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے "ولا الضالین" کہتا ہے تو مقتدی جن میں فرشتے بھی ہوتے ہیں، آمین کہتے ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے: **من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه.** (متفق علیہ) جس کا آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے ساتھ ہو گیا اس کے سارے گناہ معاف کر دیے گئے۔ اب بتائیے یہ انعام کہاں ملے گا؟ ظاہر سی بات ہے گھر کی نماز میں یہ انعام نہیں ملے گا؟ فرشتے تو مسجد ہی میں ملیں گے جہاں جماعت کے ساتھ نماز ہو رہی ہوگی۔

بہترین موقع

اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے ہم تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمیں تو بہانا چاہیے گناہوں کے داغ سے اپنے دامن کو دھلنے کا۔ ہمیں تو ان مواقع کو تلاش کرنا چاہیے جن کی قدر کر کے اور وصول کر کے ہم اپنے دامن سے گناہوں کا داغ اور دھبہ دھلوا سکیں، بہترین موقع ہے جماعت میں شریک ہونا؛ لیکن افسوس کی بات ہے بہت بڑا طبقہ مسلمانوں کا نماز کی ادائیگی میں حد درجہ غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتا ہے، نمازوں کے وقت میں کتنے مسلمان بھائی مسجد کے اردگرد منڈلاتے رہیں گے، گشت کرتے رہیں گے، گپ شپ کرتے رہیں گے، تبصرہ بازیاں کرتے رہیں گے، ان کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ چار قدم چل کر مسجد میں جائیں اور اللہ کے بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائیں، نماز ہوتی رہے گی اور مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بیڑیاں سلگاتے رہیں گے، دوستوں سے بات چیت کرتے رہیں گے؛ لیکن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادت کرنے کی توفیق نہیں ہے۔

یہ تو بڑی محرومی کی چیز ہے، حقیقت یہ ہے کہ: اللہ پاک ہم سے ناراض ہیں جو ہمیں اپنے گھر میں آنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں، جس کو اللہ کے گھر میں آنے کی توفیق مل رہی ہے، گویا اللہ اس سے راضی ہے اور جس کو اللہ کے گھر میں آنے کا موقع نہیں مل رہا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہے، اس کو اس سے بھی محروم کر رکھا ہے کہ وہ مالک کے گھر میں قدم رکھ سکے۔

اس اعتبار سے ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر ہم مسجد میں نہیں آرہے ہیں تو یہ ہماری محرومی ہے، اللہ کی ناراضگی نے ہمیں اس لائق بھی نہیں چھوڑا کہ ہم اس کے گھر کے اندر قدم رکھ سکیں۔

اسی طرح گھر میں رہنے والی خواتین و مستورات میں بھی وقت پر نمازوں کی ادائیگی میں غفلت دیکھنے کو ملتی ہے، بے وجہ نماز کو مؤخر کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب نماز قضاء ہوجائے گی تو جلدی جلدی نماز پڑھی جاتی ہے۔

منافق کی نماز

عن أنسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: تلك صلاة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني الشيطان قام فنقر أربعا، لا يذكر الله فيها إلا قليلا. (صحیح مسلم ح:١٤٥٩)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو منافق کی نماز ہے (جو اتنی جلد بازی میں اور تاخیر کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے) بیٹھا بیٹھا سورج دیکھتا رہتا ہے کب نکلنے والا ہے کب ڈوبنے والا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان آجاتا ہے تو جلدی سے کھڑا ہوتا ہے اور مرغوں کی طرح چار ٹھونگیں مار کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس میں اللہ کا ذکر برائے نام کرتا ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں، جیسے مرغا جلدی جلدی چونچ مار کر دانہ کھاتا ہے، ایسے ہی یہ چار چونچ مارتا ہے یعنی چار رکعات جلدی جلدی پڑھتا ہے، چار سجدے کرتا ہے اور فارغ ہو جاتا ہے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اتنی مارا ماری اتنی رواروی، اور اتنی جلد بازی میں جو آدمی نماز پڑھ رہا ہے یہ مومن کی نماز نہیں بلکہ منافق کی نماز ہے، ایسی نماز سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا جو مطلوب ہے، نماز تو اللہ کے بارگاہ میں حاضری ہے، پوری توجہ اور پوری دلچسپی اور پوری عظمت اور ذات باری تعالیٰ کے استحضار اور تصور کے ساتھ ایک مومن کو نماز میں مشغول ہوجانا چاہیے، پھر جس کو صحیح نماز کا مزہ لگ جاتا ہے جس کو نماز کی حلاوت اور شیرینی حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس کا جی نماز کے باہر لگتا ہی نہیں، پھر تو اس کی طبیعت چاہتی ہے کہ قیام بھی لمبا

ہو، رکوع بھی لمبا ہو اور سجدہ بھی لمبا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ذوق عبادت اور شوق تلاوت نصیب فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو نماز اتنی محبوب تھی کہ آپ اتنے طویل قیام کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے کہ قدمین مبارکین پر ورم آجایا کرتا تھا، حالانکہ آپ کو اتنی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اللہ نے تو آپ کے درجات کو اتنی بلندی عطا فرمادی تھی کہ نہ آپ سے پہلے کسی کو وہ مقام ملا اور نہ آپ کے بعد کسی کو مل سکتا ہے اور گناہوں کا صدور تو آپ کی ذات سے ممکن ہی نہیں تھا، اس کے باوجود بھی نمازوں سے ایسی دلچسپی تھی اور اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے کا ایسا معمول تھا پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا مبارک قدموں کے اوپر ورم آجایا کرتا تھا، صحابہ کرامؓ اور گھر والے کہتے بھی تھے کہ یا رسول اللہ! آپ کیوں اپنے آپ کو اتنی مشقت میں ڈالتے ہیں تو بڑے ٹھنڈی سانس لے کر آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے: **أفلا أكون عبدا شكورا؟** (صحيح بخاري: ۱۱۳۰) کیا میں مالک کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، جس نے مجھے اتنے انعامات سے نوازا ہے، میں اس کا شکر ادا کرنے والا نہ بنوں تو ہم جس رسول کے جس نبی کے جس برگزیدہ شخصیت کے نام لیوا ہیں اور جس کی غلامی کو اپنے لیے شرف سمجھتے ہیں، ان کی اتباع اور پیروی ہماری زندگی کے اندر ظاہر ہونی چاہیے اور عبادت کا وہی ذوق وشوق ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازی بنائے، متقی اور پرہیزگار بنائے۔

نماز کا انتظار

تیسری چیز پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان فرمائی: **انتظار الصلاة بعد الصلاة**: وہ عمل جو انسان کے گناہوں کے لیے بخشش کا اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے ہیں تو ظہر پڑھ کر ہی جائیں گے، اگر آدمی ایسا کرنے لگے تو پھر دنیا کے سارے کام دھندے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، وہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کیسے پالے گا، کاروبار کیسے کرے گا، محنت کیسے کرے گا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم بے فکر اور مطمئن نہ ہو جائیں کہ سارے دن کا فریضہ ہم نے ادا کر دیا؛ بلکہ منتظر رہیں کہ کب ظہر کی نماز کا وقت آئے گا اور اللہ کا منادی پکارے گا، ہمیں پھر موقع ملے گا اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا، ظہر کی نماز کا وقت آئے تو ظہر پڑھے اور ظہر پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو بے فکر نہ ہو جائیں؛ بلکہ عصر کی فکر ہمارے ذہن ودماغ پر رہے کہ عصر کی نماز کا وقت آئے تو اسی طرح ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے جائیں گے۔

جن خوش نصیب لوگوں میں یہ صفات پائی جارہی ہوں گی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: ان کے گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے اور درجات کی بلندی بھی ان کو نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازی بنائیں اور خاص طور پر سردیوں کے اس موسم میں رات کے آخری پہر میں عبادت کا معمول بنانے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

سردیوں کے روزے

دوسری اور آخری چیز پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے سردیوں کے حوالہ سے بیان فرمائی کہ موسم سرما مسلمانوں کے لیے بہار کا موسم ہے؛ اس لیے ہے کہ ''قصر نهاره فصام'' کہ سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے، اس لیے روزہ رکھنا بہت آسان ہے، لمبے لمبے دنوں میں اور گرمیوں میں روزہ رکھنا بھاری کام ہے؛ لیکن سردی میں روزہ رکھنا بہت آسان ہے، نہ بھوک لگے نہ پیاس لگے نہ تھکان کا احساس ہو، ادھر سحری کی ادھر افطار کا وقت آگیا۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ رمضان کے روزے تو ہم پر فرض ہیں؛ لیکن سال بھر نفلی روزوں کا اہتمام بھی ہماری زندگی میں رہنا چاہیے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ہر مہینے: ۱۳/۱۴/۱۵/ چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے ان تین دنوں میں آپ روزہ رکھتے تھے، اس کو ''ایام بیض'' کہا جاتا ہے، بیض کے معنی روشن ہونے کے ہیں چونکہ ان دنوں کی راتیں روشن ہوتی ہیں، ان تاریخوں میں چاند پوری روشنی آسمان پر بکھیر رہا ہوتا ہے؛ اس لیے ان دنوں اور راتوں کو ایام بیض کہا جاتا ہے، ان کے روزے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام رکھتے تھے، پھر پیر اور جمعرات کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا تو پوچھنا ہی کیا، آپ تو صوم وصال بھی رکھتے تھے، صوم وصال کا مطلب دن میں بھی روزہ رات میں بھی روزہ، اگلے دن بھی روزہ، اگلے رات بھی روزہ، مسلسل روزہ چل رہا ہے، آج صبح سحری کھائی شام کو افطار کرنا تھا نہیں کیا مسلسل روزہ رات میں بھی چلتا رہا، اگلے دن بھی سحری کا وقت آیا کچھ نہیں کھایا روزہ چل رہا ہے، اگلے دن افطار کا وقت آیا پھر کچھ نہیں کھایا، دو دن دو رات روزے، تیسرے دن سحری کا وقت آیا پھر کچھ نہیں کھایا، پھر روزے سے چل رہا ہے، بعض دفعہ آپ صوم وصال بھی رکھے تھے، لیکن آپ نے امت کو اس طرح روزہ رکھنے سے منع کیا۔

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول الله إنك تواصل اے اللہ کے رسول! آپ مسلسل روزہ رکھ رہے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اسی طرح روزہ رکھوں، آپ نے سختی سے منع فرمایا، بس جتنی بات کرنے کو کہا جارہا ہے اتنے ہی کرو اس سے آگے مت بڑھو، میری برابری کرنے کی کوشش مت

کرو،فرمایا:أیکم مثلي ؟تم میں سے مجھ جیسا کون ہوسکتا ہے؟ میں تین دن تین رات اگر مسلسل روزے سے ہوں تو ہر آدمی یہ کام نہیں کرسکتا ہے،اللہ نے مجھے یہ صلاحیت دی ہے؛ کیوں ابیت یطعمني ربي ویسقیني. (متفق علیہ) میں رات گزارتا ہوں، میرے رب مجھے کھلاتے ہیں وہی مجھے پلاتے ہیں،آپ کی تو شان ہی نرالی ہے اور آپ کا مقام ہی سوا ہے،آپ کی جو عظمت ہے اس کی حقیقت تک ہماری اور آپ کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔

بہرحال!نفلی روزوں کا اہتمام پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں بہت تھا اور روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا اجر وثواب اللہ نے مخفی اور پوشیدہ رکھ رکھا ہے، کتنا ثواب اللہ روزے کا عطا کریں گے، ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا الصوم لي وانا أجزي به. (متفق علیہ) انسان روزہ میرے لیے رکھتا ہے؛ کیونکہ اگر وہ چاہے تو چھپ کر کھا بھی سکتا ہے، پی بھی سکتا ہے،صرف میری رضا کے لیے کھاتا بھی نہیں ہے، پیتا بھی نہیں ہے،نفسانی خواہشات پر بھی قابو رکھتا ہے، جب میرے لیے انسان روزہ رکھتا ہے تو اسے اس روزے کا بدلہ بھی میں ہی دوں گا اور اللہ جو بدلہ دیں گے وہ ہماری سوچ سے بھی اوپر ہوگا؛ اس لیے ہمیں نفلی روزوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

سردیوں کا یہ موسم روزہ رکھنے کا بہترین موسم ہے، اس سے اچھا موسم پورے سال کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:الغنیمة الباردة الصوم فی الشتاء. (سنن ترمذي ح:۷۹۷) سردیوں میں روزہ رکھنا آسانی کے ساتھ حاصل ہونے والا مال غنیمت ہے،غنیمت کا مال بڑی مشکلوں سے ہاتھ لگتا ہے، اسلامی سرحدوں پر پہرہ دینے والے فوجی اسلام دشمن طاقتوں سے مقابلہ کرتے ہیں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان پر فتح حاصل کرتے ہیں،تب غنیمت کا مال ملتا ہے اور یہاں آپ سردی میں روزہ رکھیے، بہت آسانی سے غنیمت کے مال کا ثواب حاصل کر لیجیے تو اللہ نے اس موسم میں دینی اعتبار سے نفع اٹھانے کے بہت سے مواقع ہمارے لیے رکھیں، ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم آنے والے ان دو تین مہینوں کی خاص طور پر خوب قدر کرنے والے اور اللہ کی مرضی کے مطابق ان کو گزارنے والے بنیں۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

علم وہ ہے جو اللہ سے ملادے

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

علم کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کو پہچانے، اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے، زندگی کے مقصد کو جان کر اس کے مطابق شب وروز گزارے، وہ علم جو خشیت نہ پیدا کرے، جو رب سے قریب نہ کرے، اصل علم نہیں، علم تو وہ ہے جو معرفتِ ربانی کی دولت سے سرفراز کرے، جو خشیتِ الٰہی کی شعار سے نوازے، ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ایسی خشیت، ایسی معرفت جو عبادت کی راہ پر چلادے، جو گرم بستر سے اُٹھادے، جو سر نیاز جھکادے۔

معاذہ عدویہ نیک خاتون تھیں، رات کی تنہائی میں ربِّ کریم کو پکارتیں، کبھی قیام کرتیں، کبھی قعود، کبھی رکوع، کبھی سجود، دل رب آشنا تھا؛ اس لیے کیف ہی کیف، لذت ہی لذت پاتیں، اور سر جھکاتیں تو انوار وتجلیات کا جہان نگاہ کے سامنے ہوتا، کثرتِ عبادت کا ایسا ذوق انہیں حاصل تھا، آسیہ بنتِ عمرو عدویہ کا بیان ہے کہ حضرت معاذہ دن رات میں چھ سو رکعت نفل پڑھتی تھیں، اور تلاوت کا معمول نوافل میں پورا فرماتیں، رات کی تنہائیوں میں ان سے سنا گیا کہ: ”عَجبتُ بِعَیْنٍ تَنَامُ وَقَدْ عَرَفَتْ طُوْلَ الرُّقَادِ فِيْ ظُلَمِ الْقُبُوْرِ“ (اس آنکھ پر حیرت ہے جو سو جاتی ہے؛ حالاں کہ اسے علم ہے کہ قبر کی اندھیریوں میں اسے خوب جاگنا ہوگا)، کثرتِ عبادت کے ساتھ خشیت کا کیا عالم تھا اسے بھی پڑھتے چلیے: ”لَمْ تَرْفَعْ رَأْسَھَا إِلَی السَّمَاءِ أَرْبَعِیْنَ سَنَةً“ یعنی انہوں نے خشیتِ الٰہی کے سبب چالیس سال تک آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا، یہ اُن کا حال تھا، اب اُن کے شوہر ابوصہبا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ روایت پڑھتے چلیے: ”ھٰذَا أَبُوا الصَّھْبَاءِ لَایَنَامُ لَیْلَهُ وَلَایُفْطِرُ نَھَارَهُ“ (یہ ابوصہباء ہیں، رات کو سوتے نہیں تھے اور دن میں روزہ رکھتے تھے)۔

سعادت کی زندگی گزار کر ابوصحباء اور ان کے فرزند ارجمند نے ایک معرکے میں شہادت کی موت پائی، ایک خاتون کے لیے یہ کیسا نازک وقت ہے کہ شوہر اور فرزند دونوں راہی ملکِ عدم ہوگئے، سُہاگ بھی اُجڑا اور گود بھی خالی ہوئی؛ مگر ربِّ کریم کے وعدوں پر یقین کیسا اور کتنا تھا کہ جب بستی کی عورتیں تعزیت کے لیے اکٹھا ہوئیں تو معاذہ عدویہ یوں گویا ہوئیں: ”اگر تمہارا آنا تہنیت ومبارک باد کے لیے ہے تو تمہارا آنا مبارک ہو، اور اگر تم کسی

اور مقصد کے لیے آئی ہو تو پھر لوٹ جاؤ‘‘، شوہر اور فرزند کی رحلت کے بعد حضرت معاذہ کی عبادت اور بڑھ گئی؛ چناں چہ سلمہ ابنِ حنان عدوی کا بیان ہے کہ شوہر کے وصال کے بعد اپنی رحلت تک حضرت معاذہ نے کبھی بستر نہیں بچھایا۔

اللہ اللہ! کیسی نیک دل اور عبادت گزار خاتون تھیں، کیسا پاکیزہ دل انہوں نے پایا تھا، آخرت کا کیسا توشہ لے کر دنیا سے رخصت ہوئیں! آیئے کہ ان کی زندگی کی ان مختصر جھلکیوں کے آئینے میں اپنے آپ کا جائزہ لیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟؟؟

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ (قسط نہم)

قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان

از قلم: مفتی محمد سلطان خان قاسمی، امام وخطیب مسجد ابوبکر صدیق، ڈی جے ہلی، بنگلور

گزشتہ قسط میں: نفسِ زہد کے درجات اور زہد کے اسباب کو بیان کیا گیا؛ نیز زہد اور فقر میں جو فرق ہے اُس کو واضح کیا گیا تھا، اب موجودہ قسط میں حضرت شیخ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کی فضیلت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

فقر کی فضیلت

اِس میں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادتِ اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے؛ چناں چہ احادیثِ مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کی فضیلت کو کثرت سے بیان کیا ہے، چند احادیثِ مبارکہ پیشِ خدمت ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: حق تعالیٰ شانہٗ اپنے نیک بندے کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھانے پینے کسے پرہیز کراتے ہو۔ (تبلیغ دین: ص ۱۸۳، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین)

”قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه يحمىٰ عبده المؤمن عن الدنيا كما يحمىٰ أحدكم مريضه الطعام والشراب“. (رواه الترمذي: ٢٠٣٦، والحاكم في المستدرك: ٣٠٩/٤، من حديث سيّدنا قتادة بن النعمان رضي اللّٰه عنه بحواله حاشية الأربعين فى أصول الدين)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال کے ذریعہ فرمایا کہ جیسے تم لوگ اپنے بیمار رشتہ دار کو کھانے کی چیزوں سے بچاتے ہو، پینے کی چیزوں میں احتیاط سے کام لیتے ہو؛ تاکہ وہ عزیز ورشتہ دار مزید بیمار نہ ہوجائے، حتی الوسع اس کو ان ماکولات ومشروبات سے روکتے ہو اور پرہیز کرواتے ہو، بالکل اِسی طرح اللہ جل شانہٗ بھی اپنے محبوب وبرگزیدہ بندوں کو مال ودولت، ثروت اور آسائش کے سامان سے بچاتے ہیں اور دنیا کی چیزوں کو ان سے دُور کردیتے ہیں؛ تاکہ میرا بندہ ان چیزوں میں پھنس کر میری عبادت سے غافل

نہ ہوجائے؛ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قناعت والی صفتِ عظمیٰ سے نوازتے ہیں؛ تاکہ اس کا بدلہ آخرت میں بڑھا چڑھا کر عطا فرمائیں۔ (مرتّب)

بریں بنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء کی فضیلت میں ارشاد فرمایا ہے:

"**یدخل فقراء أمتي الجنة قبل الأغنياء......بخمس مائة عام**". (رواه الترمذي: ٦٠/٢ مكتبه تهانوي، ذكره أبوطالب المكي في قوت القلوب: ١٤٩٤/٣)

"میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے"۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں فقراء کو اغنیاء پر فضیلت اِس وجہ سے ہے کہ وہ چاہتے تو دنیا میں مالداروں کی طرح دنیا کما سکتے تھے اور اسبابِ ثروت کی طرح زندگی بسر کرسکتے تھے اور دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنے کو تھکا سکتے تھے؛ لیکن ان فقراء نے قناعت کو تھاما اور فقر وفاقہ سے زندگی گزاری؛ تاکہ اس کا بدلہ آخرت میں حاصل کرسکیں، تو اللہ پاک اُن کو اس فاقہ کشی اور فقر کے بدلہ میں مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل فرمادیتے ہیں۔ (مرتّب)

اِسی ذیل میں ایک حدیثِ مبارکہ کو صاحبِ قوت القلوب نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

"**أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قال له: لقى اللّٰه عزوجلّ فقيرا ولاتلقه غنيا**". (قوت القلوب لأبي طالب مكي، الجزء الثالث: ١٤٩٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اے بلال! اللہ سے تم اِس حال میں ملو کہ تم نے فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی گزاری ہو، اس حال میں اللہ کے سامنے حاضر نہ ہو کہ تم نے دنیا میں مالداروں کی طرح عیش وعشرت میں زندگی بسر کی ہو۔ (مرتّب)

دوسری جگہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"**خير هٰذه الأمّة فقرائها**". (ذكره الإمام العزالي رحمه اللّٰه في: الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦٩)

"اِس امت کے بہترین افراد اس امت کے فقراء ہیں"۔ (مرتّب)

فقر وفاقہ کا استقبال اور غنیٰ وثروت کا استدبار مطلوب ہے

چناں چہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے انہی احادیثِ مبارکہ کی وجہ سے فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی گزارنے کو ترجیح دی اور جب کبھی فقر وفاقہ ان کو پہنچتا تو وہ خوشی سے مرحبا کہتے اور جب کبھی دنیا

کی ثروت اور نعمتیں حاصل ہوتیں تو وہ خوف کھاتے اور ڈرتے کہ کہیں ہماری قربانیوں کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں مل رہا ہے۔

بریں بنا: ابوطالب المکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ کا استقبال اور غنی وثروت کا استدبار کرنے اور اس سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔

قال صلّى اللّٰه عليه وسلم: إذا رأيت الفقر مقبلًا...... فقل مرحبًا بشعار الصالحين، وإذا رأيت الغني مقبلًا...... فقل ذنب عجلت عقوبته. (الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦٩، ذكره أبوطالب المكي في قوت القلوب: الجزء الثالث: ١٤٩٨)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم فقر وفاقہ کو آتا دیکھو تو خوش ہوجایا کرو اور کہا کرو مرحباً کے طریقے کے مرحبا، اور جب مال ودولت کو آتا دیکھو تو اللہ سے ڈرو اور کہا کرو کہ (شاید) کسی گناہ کی وجہ سے یہ نعمت پہنچی ہے''۔ (ترجمہ از: مرتّب)

اِسی طرح صاحبِ قوت القلوب نے ایک اور روایت ذکر فرمائی ہے، جس میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح سے فقر وفاقہ کو گلے لگایا تھا اور جب ان کو دنیا کی نعمتیں پہنچیں تو اُنہوں نے کس طرح اس سے اپنے کو بچایا۔

روایت ملاحظہ فرمائیں: امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اپنے زمانۂ خلافت میں) اہلِ حمص کو خط لکھا کہ تم اپنے شہر کے فقراء ومساکین کے نام تحریر کرکے بھیجو؛ تاکہ میں اُن کے درمیان مال تقسیم کرسکوں، تو اہلِ حمص نے لوگوں کے نام فرداً فرداً تحریر کیے، جن میں ''سعید بن جذیم'' جو اہلِ حمص کے گورنر تھے اُن کا نام بھی تحریر کیا، بعضوں نے حضرت عمیر بن سعد کا نام ذکر کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ سعید بن جذیم کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا امیر المؤمنین یہ ہمارے گورنر ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ کیا وہ بھی محتاج ہیں؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! نیز اہلِ حمص نے یہاں تک کہہ دیا کہ (بلکہ) ہم میں اُن سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا (اُن کو بیت المال سے جو وظیفہ ملتا ہے) وہ کہاں جاتا ہے؟ تو اہلِ حمص نے جواب دیا وہ سارا مال خرچ کردیتے ہیں (صدقات وغیرہ میں) حتیٰ کہ وہ اپنے لیے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کے لیے کچھ رکھتے ہیں، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُن کے لیے ایک ہزار دینار روانہ کیے۔ بعض روایات میں چار سو دینار کی تعداد مذکور ہے؛ تاکہ وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں۔

جب وہ رقم حضرت سعید بن جذیم کے پاس پہنچی تو وہ اپنی اہلیہ کے پاس آئے، دراں حالیکہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اہلیہ نے دریافت کیا، کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟ کیا امیر المؤمنین کا انتقال ہوگیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں! بلکہ اِس سے بڑی بات پیش آئی ہے۔ اہلیہ نے دریافت کیا مسلمانوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں! بلکہ اس سے بڑی بات درپیش ہے۔ اہلیہ نے پوچھا آخر کون سی بات پیش آ گئی؟ حضرت سعید بن جذیم نے جواب دیا: ہمارے پاس دنیا آ گئی ہے، جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شب وروز گزارے: لیکن دنیا مجھ پر نہیں کھولی گئی اور میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی زمانہ پایا ہے، اُس وقت بھی مجھ پر دنیا نہیں کھولی گئی اور اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجھے گورنر بنایا گیا ہے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میری زندگی کے سب سے بُرے دن وہ یہی دن ہیں جن میں مجھے دنیا سے نوازا گیا۔

ان کی اہلیہ نے جواب دیا: (مجھے بھی اس دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ جو مناسب سمجھیں وہ کریں، اُنھوں نے اپنی اہلیہ سے دریافت کیا میں اِس رقم کے ساتھ جو کرنا چاہتا ہوں کیا تم اُس میں میری مدد کروگی؟ اہلیہ نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت سعید بن جذیم نے کہا: وہ پُرانا کپڑا مجھے پکڑا دو، پھر انھوں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اُس میں دس اور پانچ یا تین جتنے اس میں تھیلے بن سکتے تھے تیار کرلیے، پھر اُن تھیلوں کو ایک بورے میں رکھ کر اپنی پیٹھ پر رکھ کر چل پڑے۔

تو دیکھا کہ ایک جماعت اللہ کے راستہ میں غزوہ کے لیے نکلنے کو ہے، تو سعید بن جذیم رضی اللہ عنہ نے اُس جماعت میں جو جو ضرورت مند نظر آئے اُن کو ایک ایک تھیلی تقسیم کر کے سب ختم کر دیا، جب کہ انہوں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک دینار بھی نہیں چھوڑا۔ اِس واقعہ کے بعد حضرت ابوطالب المکی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے اس طرز پر زندگی گزاری ہے۔ (ترجمہ از مرتّب)(ذكره أبوطالب المكي في قوت القلوب، الجزء الثاني: ٧٥٢)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: مجھے مسکنت اور فقیری محبوب ہے اور مجھے مالداری وثروت ناپسندیدہ ہے۔ اور یہ بات بھی منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناموں میں سب سے پسندیدہ نام جس سے آپ کو پکارا جائے وہ ''اے مسکین'' ہے۔ (قوت القلوب، الجزء الثالث: ۱۴۹۸)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا ہے، جس کا آپ اہتمام فرمایا کرتے تھے:

''اسألک الطيبات وفعل الخيرات وحب المساكين''. (قوت القلوب، الجزء الثالث: ١٤٩٨)

دوسری روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندگی بسر کرنے کی توفیق دے اور مسکینی حالت میں میری موت عطا فرما، اور قیامت کے دن مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمادے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کی وجہ دریافت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء ومساکین مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا: اے عائشہ! تم مسکین کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا، اگر چہ تمہارے پاس کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس کو مرحمت فرمادینا۔ اے عائشہ! تم مساکین سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے قریب کرو؛ تاکہ تم اللہ کے قریب ہو جاؤ قیامت کے دن۔ (ترجمہ از: مرتّب)

حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: اللّٰهم أحيني مسكينا وأمدتني مسكينًا واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة. قالت عائشة رضي اللّٰه عنها لم يارسول اللّٰه؟ قال: إنهم يدخلون الجنة قبل أغنياء هم بأربعين خريفًا، ياعائشة! لاتردي المسكين ولو بشق تمرة وأحب المساكين وقربهم، فإن اللّٰه يقربك يوم القيامة. (رواه الترمذي: ٦١/٢ مكتبه تهانوي)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا: اے میرے رب! تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ پسندیدہ بندہ کون ہے؛ تاکہ میں بھی اُس سے محبت کروں اُس خوبی کی وجہ سے جس کی وجہ سے تو نے محبت کی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ محتاج بندہ جو حقیقت میں محتاج ہو اور اُس کی محتاجگی نے اُس کو مشقت میں ڈال رکھا ہو۔ (ترجمہ از: مرتّب)

قال موسىٰ: يارب من أحباؤك من خلقك، حتىٰ أحبهم لأجلك؟ فقال: كل فقير، فقير، التكرير فيه لمعنيين أحدهما المتحقق بالفقر، والثاني الشديد الحاجة والضر. (ذكره أبو طالب المكي في قوت القلوب، الجزء الثالث ١٤٩٨)

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کی فضیلت پر روشنی ڈالنے کے بعد صفتِ قناعت پر روشنی ڈالی ہے۔

فقیر اپنی حالت پر قانع ہو اور طلب کا زیادہ حریص نہ ہو تو اُس کا درجہ زاہد کے قریب ہے۔

(تبلیغ دین: ص/۱۸۳، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ۳۷۰)

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

"طوبیٰ لمن هدی للإسلام فكان عيشه كفافا وقنع به". (رواه الترمذي: ٢/ ٦٠، والنسائي في السنن الكبرىٰ (٩٧٩٣) من حديث سيّدنا فضالة بن عبيد رضي الله عنه وعند مسلم (١٠٥٤) من حديث سيّدنا عبد الله بن عمرو مرفوعًا: قد أفلح من أسلم ورزق كفافاً وقنعه الله بما آتاه، حاشيه: الأربعين في أصول الدين)

''حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارک ہو اُس کو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدرِ کفایت معاش ملی اور وہ اس پر قانع ہوا''۔ (تبلیغ دین ترجمہ الاربعین فی اصول الدین:ص/۱۸۳)

دوسری روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو محتاج اور تنگ دست ہو اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر قناعت کرنے والا ہو۔ (ترجمہ از: مرتّب)

"قال صلّى الله عليه وسلم: أحب العباد إلى الله الفقير القانع". (ذكره الإمام الغزالي رحمه الله في الأربعين في أصول الدين: ص/ ٣٧٠، رواه ابن ماجة (٤٣٨٢) من حديث سيّدنا عمران ابن حصين رضي الله عنهما مرفوعًا: إن الله يحب عبده المؤمن الفقير المتعفف أبا العيال، بحواله حاشيه: الأربعين في أصول الدين: ص/ ٣٧٠ رواه الترمذي: ٢/ ٦٠ مكتبه تهانوي)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وحی بھیجی: اے اسماعیل! مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بارِ الٰہا! وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوا: **"صابر فقير"**.

(تبليغ دين ترجمة أز: الأربعين فى أصول الدين: ص/ ١٨٣، مترجم مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ)

خلاصہ

مذکورہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر بہت بڑی نعمت ہے اور اپنی پوری زندگی کو فقر وفاقہ کے ساتھ گزار دینا یہ اللہ کے برگزیدہ اور چنیدہ بندوں کا شعار ہے؛ لہٰذا زندگی میں جب کبھی فقر کا سامنا ہو جائے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا استقبال کریں۔ اور اُس وقت جو چیز ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے موجود ہو اُس پر قناعت کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ (مرتّب)

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

شاگردوں پر شفقت ونرمی کریں

ازقلم: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دار العلوم رشیدیہ وصدر دار الافتاء والارشاد حیدر آباد

استاذ طلبہ کے ساتھ والد کی طرح شفقت سے پیش آئے:

[استاذ کو چاہیے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ والد اپنے لڑکے کے لیے "إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ" (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ: ۳۱۳) ابو ہارون عبدیؒ اور شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ: جب ہم طالبِ علم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے: "خوش آمدید وصیة رسول اللّٰہ خوش آمدید" سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عنقریب زمین تمہارے لیے مسخر کردی جائے گی اور تمہارے پاس کم عمر آویں گے جو علم کے بھوکے اور پیاسے ہوں گے، تفقہ فی الدین کے خواہش مند ہوں گے اور تم سے سیکھنا چاہیں گے، بس جب وہ آئیں تو انہیں تعلیم دینا، مہربانی سے پیش آنا، ان کی آؤ بھگت کرنا، اور حدیث بتانا]

"مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتُفْتَحُ لَكُمُ الْأَرْضُ وَيَأْتِيكُمْ قَوْمٌ "أَوْقَالَ" غِلْمَانٌ حَدِيْثَةٌ أَسْنَانُهُمْ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ، وَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْكُمْ فَإِذَا جَاءُوْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ وَأَلْطِفُوْهُمْ وَوَسِّعُوْا لَهُمْ فِي الْمَجْلِسِ وَفَهِّمُوْهُمُ الْحَدِيْثَ، فَكَانَ أَبُوْسَعِيْدٍ يَقُوْلُ لَنَا: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ نُوَسِّعَ لَكُمْ فِي الْمَجْلِسِ وَأَنْ نُفَهِّمَكُمُ الْحَدِيْثَ".

(جامع بيان العلم: ۵۸۹/۱)

امام ابو حنیفہؒ کی نصیحت:

☆ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص شاگرد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو خاص نصیحت فرمائی: اپنے پاس پڑھنے کے لیے آنے والوں پر ایسے متوجہ ہوا کرو گویا کہ تم نے اُن میں سے ہر ایک کو اپنا بیٹا بنالیا ہے؛ تا کہ اُن کے اندر علم کی رغبت میں اضافہ ہو سکے۔ "وأقبل علىٰ متفقّهك كأنك اتخذت

كل واحد منهم ابنًا وولد التزيدهم رغبة في العلم". (معالم ارشاديه:٢٧٤)

☆ شیخ عوامہؒ فرماتے ہیں: استاذ کے دل میں دو باتوں کا احساس ہو کہ وہ دراصل معلّمِ انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دے رہا ہے، نیز وہ مہربان وخیرخواہ باپ کے درجہ میں ہے جو اپنی اولاد کی تربیت وترقی کے لیے بے چین رہتا ہے۔ درحقیقت یہی معلّم ومربی کہلائے جانے کے قابل ہے۔

(معالمِ ارشادیہ:۲۷۶)

امام ابو یوسفؒ کا طلبہ کے ساتھ سلوک:

☆امام ابو یوسفؒ نے ایک موقع سے ارشاد فرمایا: علمی مجالس میں خصوصیت کے ساتھ غصہ سے پرہیز کرو)۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نہایت متحمل المزاج تھے، حسن بن زیادؒ اور امام زفرؒ شاگرد گواہی دیتے ہیں: ""**كان أبو يوسف أوسع صدراً بالتعليم من زفر**" (حسن التقاضی:۱۹) حسن بن زیادؒ گوا گر کوئی مسئلہ سمجھ نہ آتا، امام زفرؒ کے بار بار سمجھانے پر بھی نہ سمجھتے تھے تو غصہ سے بھجوادیتے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کئی بار سمجھانے کے بعد بھی وہ نہ سمجھتے تو فرماتے: صبر رکھو، غور کرو، سمجھ جاؤ گے، پہلے سے تو بہتر سمجھے، تھوڑا تھوڑا سمجھتے چلو، ایک دن مکمل سمجھ لوگے اور فرماتے: "**لو استطعت إن أشاطركم مافي قلبي لفعلت"**. (رسائل ابنِ جوزی:۴۲)

طالبِ علم کی غلطی پر امام سفیان ثوریؒ کی بے چینی:

☆امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کبھی کوئی طالبِ علم میرے سامنے عبارت پڑھتے ہوئے کھلی ہوئی غلطی کرتا ہے، تو (غصہ ہونے کے بجائے) اُس کے صدمہ میں میری نیند اور بھوک اُڑ جاتی ہے "**أنه ربما يقرأ علي القاري فيلحن في قرأته فأحرم نومي وطعامي"**. (معالمِ ارشادیہ:۳۰۸)

حسن بصریؒ کی اساتذہ کو نصیحت:

☆ سیّدنا حسن بصریؒ چند احباب کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، جب ہجوم کی وجہ سے گھر بھر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے فرمایا: ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے، ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ کر فرمایا: میرے بعد عنقریب لوگ تمہارے پاس تحصیلِ علم کے لیے آئیں گے اُن کو مرحبا کہنا، سلام کہنا اور علم سکھانا۔ "**أنه سيأتيكم أقوام من بعدي يطلبون العلم فرحبوا بهم وحيّوهم وعلّموهم"**. (سنن ابن ماجه، المقدمه، باب الوصاة لطلبة العلم، حديث:٢٤٨)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا عملی پیغام:

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جب نوعمر اور جوان طلبا آتے تو آپ رضی اللہ عنہا ان کو اپنے سے مانوس اور قریب کرنے کے لیے فرماتے: خوش آمدید ہو! اُن لوگوں کو جن کے بارے میں سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت فرمائی تھی، کہ ہم ان کے لیے مجلس میں گنجائش پیدا کریں اور ان کو حدیث سمجھائیں؛ کیوں کہ آپ لوگ ہی ہمارے بعد ہمارے نائب اور دوسروں کو احادیث سنانے والے ہیں، اگر تمہیں کوئی بات سمجھ نہ آئے مجھ سے سمجھ لینا؛ کیوں کہ تم سمجھ کر اُٹھو، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم بے سمجھے اُٹھ جاؤ۔ ”مرحبا بوصية رسول الله صلّى الله عليه وسلم! أمرنا رسول الله صلّى الله عليه وسم أن نوسع لهم في المجلس، ونفقّههم الحديث، فإنكم خلوفنا والمحدثون بعدنا، وكان ممايقول للحدث: إذا أنت لم تفهم الشيء استفهمنيه! فإنک أن تقوم وقدفهمته أحب إلي من أن تقوم ولم تفهمه“. (کنز العمال: ۲۴۳/۵)

غصہ کی حالت میں ڈاکٹر علاج نہیں کرتا:

☆ غصہ اور طیش میں آ کر کبھی بچوں کو سزا نہ دے؛ کیوں کہ کوئی حکیم غصہ میں بھرا ہوا مریض کے مرض کو ختم نہیں کرسکتا؛ غصہ میں دل قابو میں نہیں رہتا، جب استاذ کا دل ہی قابو میں نہیں تو شاگرد کو کیسے اپنے قابو میں لاسکتا ہے؟ اس میں تو اور خرابی کا اندیشہ ہے۔

کی نصیحت بُری طرح ناصح
اور ایک بس ملادیا بس میں

طلبہ پر سختی فتنہ کا باعث ہے:

☆ تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں؛ یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے ہی اُس میں سوراخ کردے، جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کردے گا تو اُس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا؟

☆ خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے خواہ وقتی طور سے کام چل جائے؛ مگر یہ کامیابی عارضی ہوتی ہے؛ اور آج کل تو وقتی کامیابی بھی نہیں ہوتی؛ بلکہ ایک فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے، جو اراکین اور ذمہ دار حضرات کے لیے انتہائی پریشانی اور مدارس کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

شاید تمہاری مار میں اخلاص نہیں:

☆ قاری رحیم بخشؒ کے پاس مدرسہ کے ناظم نے طالبِ علم کے فلم بینی کی شکایت کی، آپؒ کو یقین نہ آیا، دوسری بار رنگے ہاتھ ٹکٹ کے ساتھ پکڑ لائے، کچھ ڈنڈے لگائے گئے، چند دن بعد دوبارہ پکڑا گیا تو فرمایا: شاید تمہاری مار میں اخلاص نہ تھا؛ ورنہ کیوں توبہ نہ کی، تیسری بار جب پکڑا گیا تو پٹائی کے بجائے درس گاہ میں طالب کو بلوا کر فرمانے لگے: دن رات کی محنت آپ کے سینے میں قرآن کا نور اُتارنے کے لیے ہے، قرآنی طالبِ علم کا شیطانی اڈوں پر کیا کام؟ جب سے ہوش سنبھالا ہے کسی کے سامنے میں نے ہاتھ نہیں جوڑے، آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، خدارا! اس حرکت سے باز آجاؤ! ساری درس گاہ کی چیخیں نکل گئیں، دس سال بعد وہ طالبِ علم اپنی دوستانہ ملاقات میں کہنے لگا: قاری صاحب جیسے استاذ نصیب والوں کو ملتے ہیں، جو ایک لمحہ میں دل کی کایہ پلٹ دیں، اُس دن سے آج تک تہجد بھی نہیں چھوٹی، سنیما تو کیا، ٹی وی پر بھی نظر نہیں پڑی۔

(ماہنامہ جدیدہ ''الاشرف'': ۲/ ۳۳۲)

امام ابو حنیفہؒ کی طلبہ پر شفقت کا عالم:

☆ یاد رکھیے! چھوٹے بچوں کے دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی بُرا ہے کہ جیسا نرم و نازک پودے پر بادِ صرصر کا تند جھونکا یا پھولوں پر لو کا چلنا۔

☆ امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگردوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے، حتیٰ کہ اگر کسی کے بدن پر مکھی بھی بیٹھتی تو اس کی ناگواری آپؒ کے چہرے پر محسوس ہو جاتی، ایک دن ایک شاگرد کی خبر پہنچی کہ وہ چھت پر سے گر گیا ہے، خبر سن کر اس قدر زور سے چیخ ماری کہ مسجد و درس گاہ کے سب لوگ گھبرا کر کھڑے ہو گئے، اور روتے ہوئے فرمایا: اگر شاگرد کی مصیبت مجھے اُٹھا لینا ممکن ہوتا تو ضرور اُٹھا لیتا، پھر شاگرد کی صحت یابی تک دن میں دو مرتبہ عیادت فرماتے رہے۔ (الخیر الحسان: ۱۳۹)

طلبہ کی دلجوئی کریں:

☆ ایک مرتبہ درس گاہ میں ابو بکر مروزیؒ کی تلاش میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا: یہاں مروزی ہیں؟ مروزیؒ اُن سے ملنا نہیں چاہتے تھے، مہنّیٰ بن یحییٰ شامیؒ معاملہ سمجھ گئے، اپنی اُنگلی اپنی ہتھیلی پر رکھ کر جواب دیا: مروزی یہاں (ہتھیلی) پر نہیں ہے، یہاں ان کا کیا کام، یہ سارا منظر درس گاہ میں امام صاحبؒ دیکھ کر ہنس پڑے، مگر سختی نہ فرمائی۔

☆مقبول ومحبوب استاذ کا علم؛علمِ نافع اور صدقۂ جاریہ بننے کے لیے طلبہ کو اپنیاولاد کا درجہ دے کر اولادِ صالح بنانا ہوگا،اور یہی تین چیزیں انسان کے لیے بہ نصِ حدیث صدقۂ جاریہ ہیں۔

امام مالکؒ کا اپنے شاگرد کے ساتھ سلوک:

☆امام مالکؒ کے شاگرد رشید علامہ عبدالرحمٰن بن قاسمؒ اسی تصور سے کہ تعلیم وتدریس کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے، پورے درس میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنی اُنگلی آسمان کی طرف اٹھائے رکھتے اور خیر کی توفیق وشر سے پناہ مانگتے رہتے۔ (معالمِ ارشادیہ:۲۸۰)

خوفِ آخرت کی وجہ سے معافی مانگنا:

☆حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے ایک مرتبہ طالبِ علم کی کوتاہی پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ’’تم نے خبیثوں جیسا کام کیا‘‘، یہ نہیں فرمایا کہ:’’تم خبیث ہو‘‘، اگلے دن فرمایا:’’میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت‘‘ ایسا شاید کم دیکھا گیا ہوگا کہ استاذ طالبِ علم سے معافی ومعذرت کررہے ہوں؛مگر مخلص ومشفق اساتذہ کے پاس وصف بھی اَتم درجہ کا تھا۔

حضرت جی ثالثؒ کا طالبِ علم سے معافی مانگنا:

☆حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے پاس مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں ایک طالبِ علم کے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کرکے پھینک دینے کی شکایت موصول ہوئی،تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چپت رسید کردیا،لڑکا جب واپس جانے لگا تو بلاکر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:’’لڑکے مجھے معاف کردے‘‘، یہ منظر دیکھ کر سب کی آنکھیں نَم ہوگئیں۔

غصہ والا اپنے کو عالم نہ سمجھے:

☆امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:استاذ کو بُردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہیے۔

☆حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہلِ علم میں شمار نہ کرنا۔

☆ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:معلم کو مہر ومحبت کا مجسمہ ہونا چاہیے، درشت خو آدمی کی بات سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا، حد یہ ہے کہ مریض کڑوی دوا کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ مرض زائل کرے گی پینے سے گریز کرتا ہے،قرآنِ مجید میں ارشاد ہے﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ‘‘۔

☆"تعلیم المتعلّم" میں لکھا ہے کہ: مشفق استاذ کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے؛ کیوں کہ استاذ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں؛ اِس لیے اس آرزو کی برکت اور شفقت کی وجہ سے اس کا لڑکا بھی عالم ہوجاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بحیثیت معلّم:

☆حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہوئے دوسرے آدمی کی چھینک پر نماز میں "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہہ دیا، جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم آنکھوں سے گھور کر تنبیہ کرنے لگے، تو عرض کیا، "واثکل أمیاہ" میری ماں مجھ پر روئے، تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ تم مجھے گھور رہے ہو؟ لوگوں نے (خاموش کرنے کے لیے) اپنے ہاتھوں سے اپنی رانوں کو تھپتھپایا، جب احساس ہوا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو خاموش کررہے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، فرماتے ہیں: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مارا، نہ ہی مجھے ڈانٹا، اور نہ ہی بُرا بھلا کہا، میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ سے اچھا اور بہتر معلم کسی کو نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اِتنا فرمایا: "ہماری اس نماز میں لوگوں کی گفتگو میں سے کوئی چیز درست نہیں، نماز تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرأتِ قرآن کا نام ہے۔" **فدعاني رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال لي: إنما الصلاۃ لقراءۃ القرآن وذکر اللّٰہ جل وعز، فإذا کنت فیھا فلیکن ذٰلک شأنک، فما رأیت معلّما قط أرفق من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم.**

(ابوداؤد، حدیث: ۹۳۱)

حضرت گنگوہیؒ کا سبق آموز واقعہ:

☆ایشیائی ومشرقی تہذیب استاذ کو والد اور شاگرد کو بیٹے کا درجہ دیتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کا دروازہ ہر طالبِ علم کے لیے کھلا رکھتے تے جیسے اولاد کے لیے کھلا رکھتے تھے۔

☆رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے درس کے دَوران اچانک بارش ہونے لگی، طلبہ کتابیں لے کر سہ دری میں چلے گئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ صحن میں طلبہ کے جوتے جمع کرکے لا رہے تھے، طلبہ نے شرمندگی سے کہا: حضرت! آپ نے یہ کیا کردیا؟ فرمایا: جو لوگ **قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی** اور **قَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ** پڑھتے ہوں، رشید احمد اُن کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟ (تذکرۃ الرشید: ۶۲)

طالبِ علم کے دروازے پر مٹھائی کے لیے حاضر:

☆ایک مرتبہ ایک طالبِ علم کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کام سے روانہ کیا، اس کی عدمِ موجودگی میں مٹھائی تقسیم ہوئی، طالبِ علم کبیدہ خاطر ہوا کہ میں نے خدمت کی مگر مجھے مٹھائی نہ ملی، اسی دَوران دروازہ پر دستک ہوئی، گرجتی آواز سے پوچھا: کون ہے؟ فرمایا: رشید احمد! تمہارے حصہ کی مٹھائی لایا ہوں، تم تقسیم کے وقت موجود نہ تھے، تو میں نے تمہارے حصہ کی مٹھائی اٹھا رکھی تھی، سبحان اللہ! قربان جائیں ایسی شفقت پر۔

(ملفوظات فقیہ الامت:۸۸/۲)

☆مقبول معلّمی کا معیار یہ ہے کہ معلّم کا خوبصورت تذکرہ تازندگی باقی رہ جائے، انبیائے کرام نے بھی اس کی تمنا کی ہے اور سخت معلّم کا ذکرِ خیر باقی نہیں رہتا۔"وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ أي: اجعل لي ثناء صدق، مستمر إلىٰ آخر الدهر.

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

تہذیبِ اسلامی کے خصائص وامتیازات

ازقلم: مولوی محمد عمر فاروق فتح پوری، متعلّم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تہذیب وثقافت کی اہل علم نے مختلف تعریفیں کی ہیں، ہم یہاں ڈاکٹر جالبی کے حوالہ سے تہذیب وثقافت کی جامع ومکمل تعریف ذکر کرتے ہیں۔

تہذیب وثقافت اس کل کا نام ہے جس میں مذہب وعقائد علوم واخلاقیات، معاملات ومعاشرت، فنون وہنر، رسم ورواج، افعال ارادی اور قانون، صرف اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جس کا انسان معاشرے کے ایک ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے۔

مختلف کلچر وثقافت اور تہذیب وادیان کے ماننے والے متضاد ومختلف ادیان وتہذیب سے تعلق رکھنے والے افراد کے سامنے اپنی تہذیب وکلچر کی خصوصیات کا مذاکرہ کرتے رہتے ہیں، لہٰذا اسلام جو ایک آفاقی اور بین الاقوامی مذہب ہے، جس نے ساری دنیا کو ایک مرکزی نظام حیات اور نظام اخلاق واقدار عطا کیا ہے، اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کا تذکرہ کیا جائے، ذیل میں اسلامی تہذیب کے بعض خصائص کو بیان کیا جارہا ہے، تاکہ اس کے متبعین کو اپنے تہذیبی ورثہ کی قدر وقیمت کا اندازہ ہو، یوں تو اسلام کا ایک ایک گوشہ گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے، لیکن پانچ ایسی خصوصیات ہیں، جو اسلامی تہذیب کو دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) وحدانیت مطلقہ:

اسلام کی آمد سے قبل کسی بھی تہذیب کسی بھی مذہب وعقیدہ کے اندر وحدانیت مطلقہ کا وہ تصور موجود نہیں تھا جو اسلام کی آمد کے بعد تہذیب اسلامی نے دنیا کے سامنے پیش کیا، اسی تصور نے معاشرہ میں رائج تمام عقائدہ فاسدہ پر قدغن لگادی، اور ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ کی ذات ہے، باقی ہر شے باطل ہے، حاکمیت وملوکیت اس ایک اللہ کی ہے نہ کوئی اس کا شریک ہے، نہ ہمسر، وہ تن تنہا ہے جو پرستش کے لائق ہے، وہ ایک ہی ہے جو عزت وذلت کا مالک ہے، ساری کائنات پر بس اسی کا سکہ رواں دواں ہے۔

تہذیب اسلامی کے اس اعلان کا انسان پر یہ اثر ہوا کہ اسلام کی آمد سے قبل حکمرانوں ذی اثر لوگوں، طاقتوروں اور علماء سوء کی جو اجارہ داری تمام انسانیت پر قائم تھی انسانیت کو اس سے چھٹکارہ حاصل ہوا، اور حقیقی

خالق و مالک کی چوکھٹ پر مخلوق کو سر جھکانے کا شرف حاصل ہوا، صنم پرستی، وثنیت اور تمام عقائد باطلہ کی مذمت وہجو کر کے ہمیشہ کے لیے بے وقعت کر دیا گیا، اور بنی نوع انسانی ادیان و مذاہب کی ظلم و زیادتی سے اور غلامی سے نجات پا کر دوبارہ زندگی کی حقیقی نعمتوں سے سرفراز ہوئی، اور وہ طوق وسلاسل اپنے اوپر سے جدا کیے جو بلاضرورت اس نے اپنے گلے میں لٹکا لیے تھے۔

(۲) انسانی مساوات:

تہذیب اسلامی کی دوسری خصوصیت وامتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے میلان ورجحان کے اعتبار سے پوری انسانیت پر حاوی ہے، اور اپنے پیغام ومشن کے اعتبار سے آفاقی اور عالمگیر ہے؛ چنانچہ قرآن کریم نے نسل، خاندان اور وطن کے تنوع کے باوجود نوع انسان کی وحدت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ.

”اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تمہیں تقسیم کیا تا کہ باہم تعارف ہو اللہ کے نزدیق سب سے زیادہ قابل عزت وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

قرآنِ مجید کے اس اعلان نے جب عالم انسانیت کی وحدت کی بناء حق اور خداترسی پر رکھ دی تو تہذیب کی لڑی میں ہر اس امت اور قوم کے ذہین وفطین افراد پرو دیے گئے جس پر اسلام نے اپنی فتوحات کا جھنڈا لہرا دیا، یہی وجہ ہے کہ دوسری تمام تہذیبیں صرف ایک ہی نسل اور ایک ہی قوم کے ناموروں پر فخر وناز کر سکتی ہے؛ لیکن اسلامی تہذیب ان تمام اقوام وقبائل کے سپوتوں پر فخر کر سکتی ہے جنہوں نے مشترکہ طور پر اس تہذیب کے قصر کی تعمیر میں تعاون کیا۔

ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد، الخیل، سیبویہ، الکندی، الفراء، الفارابی، ابن رشد، اور ان کے جیسے دوسرے مشاہیر کہ مختلف قوموں سے تعلق رکھنے کے باوجود فرزندان اسلام ہی تھے جن کے ذریعہ اسلامی تہذیب نے انسانیت کے سامنے فکر سلیم کے بہترین نتائج وثمرات پیش کیے۔

(۳) تیسری خصوصیت تہذیب اسلامی کی وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو اس نے اپنے پورے نظام اور اپنی ساری سرگرمیوں میں اولین مقام عطا کیا، حکومت علوم وفنون، قانون سازی، صلح وجنگ، اقتصادیات اور عائلی معاملات ہر جگہ انہیں اصولوں کی تطبیق کو مدنظر رکھا بلکہ اسلامی تہذیب اس معاملہ میں جس جدوکمال کو پہنچی ہے کسی قدیم وجدید تہذیب میں اس کی نظیر ومثال نہیں ہے، تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ رونما ہوا۔

رعایا کے افراد میں سے ایک نے صدر ریاست کو یوں مخاطب کیا ''السلام علیکم اے اجیر'' اور اس پر امیر ریاست نے تسلیم بھی کیا کہ وہ اجیر ہے، اور ایک اجرت پر کام کرنے والے کی طرح اخلاص کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا اور خیر خواہی کے ساتھ امانت کا حق ادا کرنا اس کا فرض ہے۔

اسلامی تہذیب نے اس اصول کا اعلان کیا اور عملاً اسے نافذ اور منطبق بھی کر کے دکھایا۔

(۴) چوتھی خصوصیت تہذیب اسلامی کی یہ ہے کہ یہ علم کے سچے اصولوں پر یقین رکھتی ہے، اور پاکیزہ ترین اصول وعقائد کو اپنا مرکز قرار دیتی ہے، اس تہذیب نے عقل ودل کو بیک وقت مخاطب کیا ہے، اور افکار وجذبات کو ابھارا ہے، اور اس خصوصیت میں بھی دوسری کوئی تہذیب اس کی شریک نہیں، یہ واحد تہذیب ہے جو دین کو ریاست سے جدا نہیں کرتی لیکن اس کے باوجود بھی ان دونوں (دین وسیاست) کے امتزاج کے سبب ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، جن سے قرون وسطی میں مغرب کو دوچار ہونا پڑا۔

بلاشبہ صدر ریاست مسلمانوں کا امیر ہے اور قانون سازی ماہرین شریعت کا کام ہے لیکن قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں امیر بھی رعایا بھی اور قانون ساز بھی فضیلت صرف تقوی اور خدمت خلق پر موقوف ہے۔

فاطمہ نامی ایک عورت پر چوری کے جرم میں مقدمہ قائم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سفارش کی جاتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر فرماتے ہیں اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔

(۵) تہذیب اسلامی کی پانچویں اور آخری خصوصیت وہ اس کی حیرت انگیز مذہبی رواداری ہے جو کسی ایسی تہذیب میں نہیں پائی گئی جو دینی بنیادوں پر قائم ہو، ممکن ہے کہ جو شخص کسی دین اور خدا پر ایمان نہ رکھتا وہ تمام مذاہب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھے لیکن جو دین کا پیرو اس بات پر ایمان رکھتا ہو اس کا دین ہی حق ہے، اور اس کا عقیدہ سب سے زیادہ سچا اور صحیح ہے، پھر اسے تلوار اٹھانے، ملک فتح کرنے اور حکومت چلانے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کا موقع میسر آئے، اور پھر بھی اس کا دین اس کا عقیدہ اسے اس بات کی اجازت نہ دے کہ وہ حکمرانی میں جور سے کام لے اور منہاج عدالت وانصاف سے منحرف ہو، اور لوگوں کو اپنا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے؛ چنانچہ یہ تاریخ کی منفرد مثال ہے، یہ کارنامہ ہماری تہذیب اسلامی نے انجام دیا ہے، اور حاکم ومتقدر ہونے کے باوجود تاریخ عالم میں سب سے زیادہ رواداری، انصاف اور انسانیت کا رویہ اختیار کیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب